پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار

چودھری رحمت الٰہی

نائب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان

حمد و ثناء کے بعد!

میرا موضوع 'پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار' ہے ۔ آج اس اجتماع میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں موجود ہیں جو پچھلے پندرہ بیس سال میں جماعت سے وابستہ ہوئے ہیں ، اس لیے وہ جماعت کے اس کام اور کردار سے پوری طرح واقف نہیں ہیں جو اس سے پہلے جماعت نے ادا کیا۔ یہ موضوع اس کمی کو پورا کرنے کے لیے رکھا گیا ہے ۔ یہ نہ تو رپورٹ ہے اور نہ ہی جماعتِ اسلامی کی تاریخ، لیکن ظاہر ہے کہ جماعت کا کردار تاریخ کے آئینہ ہی میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

پاکستان کی اور جماعتِ اسلامی کی تاریخ تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے اور جماعتِ اسلامی کا یہ ۴۸ سالہ جہادِ مسلسل بے شمار پہلو اور گوشے رکھتا ہے ۔

وقت کی کمی کے باعث میں نے یہ سوچ کر کہ ایک فی البدیہہ تقریر میں شاید اس کے تقاضے پورے نہ ہو سکیں اسے قلم بند کر کے پیش کرنا مناسب سمجھا ہے ۔

جماعتِ اسلامی کا مقصدِ وجود وہی ہے جو امتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی بندگی کی دعوت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اللہ کی بندگی پر استوار کر کے شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے ۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

چونکہ امت صدیوں کے دورِ انحطاط اور دورِ غلامی کی بنا پر نہ صرف اس فریضہ سے غافل ہو گئی تھی، بلکہ خود اس تصوّر ہی سے بڑی حد تک ناآشنا ہو چلی تھی، لہٰذا ضروری تھا کہ پہلے دین کا وہ صحیح تصوّر اور شعور جو نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور جس پر عملاً زندگی کے پورے نظام کی تعمیر کر کے امت کے لیے دائمی نمونہ قائم کیا تھا اسے نکھار کر اپنی اصلی شکل میں پیش کیا جائے ، چنانچہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کے محض ایک مذہب ہونے (اگرچہ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں ایک بہتر اور سچا مذہب ہونے کے رائج تصوّر کے بجائے اسلام کے ایک مکمل دین اور جامع نظامِ زندگی ہونے کی بنیادی حیثیت کو اجاگر کیا، جو دین و دنیا کی تقسیم کو مسترد کر کے انسان سے انفرادی اور اجتماعی دائرہ کے ہر شعبہ اور ہر عمل میں خدا کی بندگی اور اطاعت کا تقاضا کرتا ہے ۔ مولانا مودودیؒ نے امّتِ مسلمہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اسے فریضۂ شہادتِ حق کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کی تحریک شروع کی ۔ اسی مقصد کے لیے جماعتِ اسلامی کی تشکیل کی گئی اور جماعت اپنے یومِ تاسیس ہی سے ساری کشتیاں جلا کر اس جدّوجہد میں منہمک ہو گئی ۔

جہاں تک نظریۂ پاکستان کا تعلق ہے اس میں اور جماعتِ اسلامی کے نظریہ اور مقصد میں بڑی یکسانیت ہے ۔ نظریۂ پاکستان کے دو بڑے اجزا ہیں۔ دو قومی نظریہ اور اسلامی نظام ۔ پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ قومیں وطن، نسل یا زبان سے نہیں بلکہ عقیدہ و نظریہ سے بنتی ہیں، لہٰذا مسلمان اپنے عقیدہ اور نظریۂ حیات کی بنیاد پر ایک الگ قوم ہیں اور ہندو ایک الگ قوم ہیں ۔ دونوں قومیں اسی صورت میں آزاد ہو سکتی ہیں کہ دونوں کی اپنی آزاد مملکتیں ہوں ، جن میں وہ اپنے اپنے عقیدہ اور نظریہ کے مطابق نظامِ زندگی اختیار کر سکیں ۔ مسلمان متحدہ ہندوستان میں رہ کر اسلامی نظام زندگی پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے ۔ یہی دو قومی نظریہ، مطالبۂ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کی بنیاد تھا ۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ دو قومی نظریہ کی جتنی علمی اور قلمی خدمت علامہ اقبالؒ اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے کی کسی اور نے نہیں کی ۔ مولانا مودودیؒ نے 'مسئلہ قومیت' اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ دوم کے مضامین میں اس نظریہ کو مسکت دلائل و شواہد کے ساتھ پیش فرمایا اور تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ اور مسلمانوں نے ان

کتابوں کو وسیع پیمانے پر پھیلایا ۔ ان مضامین نے برِّ صغیر میں بسنے والے مسلمانوں کو اس نظریہ پر یکسو کر کے قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں بڑی مفید خدمت انجام دی ۔

جماعتِ اسلامی کے مخالفین اپنی سیاست بازی یا ذاتی مفاد کے تحت مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی پر مخالفتِ پاکستان کا جھوٹا الزام جتنی بار چاہیں لگائیں اور جتنی ڈھٹائی سے چاہیں دہرائیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی نے تحریکِ پاکستان کی فکری آبیاری میں بھی بیش بہا کردار ادا کیا اور پھر تحریکِ پاکستان کی تکمیل اور پاکستان کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر کے لیے تو اس کا کردار منفرد اور بے مثال ہے ۔

پاکستان بن جانے کے بعد قائداعظمؒ کی علالت اور پھر ۱۹۴۸ء میں ان کی وفات سے پاکستان اپنے بانی اور حقیقی قیادت سے محروم ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ قیادت ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جو پاکستان کے اصل نظریہ اور مقصد، اسلامی نظام کے قیام سے غافل ہو کر جنگِ اقتدار اور حصولِ مفادات میں الجھ گئے ۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر جماعتِ اسلامی نے مولانا مودودیؒ کی دور اندیش قیادت میں پاکستان کو اپنے حقیقی مقصد و منزل سے ہمکنار کرنے کے لیے پیش قدمی کا فیصلہ کیا ۔ یہ گویا تحریکِ پاکستان کا دوسرا مرحلہ تھا ۔ پہلا مرحلہ ایک خطۂ زمین کا حصول تھا اور دُوسرا اس نظریہ و نظام کا قیام و نفاذ تھا جس کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا ۔

قراردادِ مقاصد

اس مرحلہ کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ایک چار نکاتی مطالبۂ نظامِ اسلامی سے کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی جسے برطانیہ نے اقتدار منتقل کیا تھا اور جو ملک کا دستوری و آئینی مستقبل طے کرنے کی مجاز تھی، وہ ایک قرارداد کے ذریعہ یہ اعلان کرے کہ پاکستان میں حاکمیت اعلیٰ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہوگی اور پاکستان کا آئین قرآن و سنّت کے دیے ہوئے اصولوں پر بنایا جائے گا ۔ مطالبہ بہت سادہ، صاف اور تحریکِ پاکستان کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اور اسے منوانے کے لیے کسی بڑی جدّوجہد کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے تھی، لیکن اس کے لیے جماعتِ اسلامی کو ایک مہم چلانی پڑی ۔ ابتدا میں اسے نظرانداز کیا گیا، لیکن جب اس نے کچھ زور پکڑا تو اس کی راہ روکنے کے لیے امیرِ جماعتِ اسلامی مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور قیّم جماعت میاں طفیل محمد صاحب کو مخالفتِ پاکستان اور جہادِ کشمیر کے خلاف فتویٰ دینے کے بے بنیاد الزامات لگا کر مقدمہ چلائے بغیر نظربند کر دیا گیا، لیکن ریت کی یہ دیوار اس مطالبہ کی راہ نہ روک سکی اور

جماعتِ اسلامی اپنی قلیل تعداد اور اپنی اعلیٰ قیادت کے منظر سے ہٹ جانے کے باوجود پورے عزم و استقلال سے اس مطالبہ پر ڈٹی رہی ۔ قوم سے بھی اسے بھرپور تائید ملی اور بالآخر تقریباً ایک سال کی سخت جدوجہد کے بعد مارچ ۱۹۴۹ء میں وہ قراردادِ مقاصد منظور کرلی گئی جو اس کے بعد پاکستان کے ہر دستور کے دیباچے میں شامل رہی اور اب آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعہ دستور کے قابلِ نفاذ متن میں شامل کرلی گئی ہے ۔ اس سلسلہ میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قراردادِ آئین ساز اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے اس کا مسودہ مولانا مودودیؒ کو ملتان جیل میں دکھایا گیا اور ان کے اظہارِ اطمینان کے بعد اسے دستوریہ میں منظور کیا گیا ۔ جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قرارداد جماعتِ اسلامی کی مطالبۂ نظامِ اسلامی کی مہم کے نتیجہ میں منظور کی گئی ۔

قراردادِ مقاصد ایک بنیادی اور انتہائی اہم دستاویز ہے جس میں خدا کی حاکمیت اور اس کے عطا کردہ اقتدار کو مقدّس امانت قرار دے کر اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا اقرار کیا گیا ہے نیز اسلام کے عطا کردہ جمہوریت، آزادی، مساوات ، رواداری اور عدلِ اجتماعی کے اصولوں کی پابندی کا عہد اور مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن و سنّت کی تعلیمات کے مطابق گزارنے کے قابل بنانے کا اعلان کیا گیا ہے ۔ قراردادِ مقاصد پاکستان کے اندر جماعتِ اسلامی کے کردار کا پہلا سنگِ میل اور ایک ایسا فیصلہ کن اقدام تھا جس کے نتیجہ میں پاکستان کا رخ اور منزل متعیّن ہو گئے ۔ یہ بے دین اور الحادی قوّتوں کے لیے شاہ مات تھی ۔ انہوں نے بہت پیچ و تاب کھائے اور بڑا سر مارا، طرح طرح کی چالیں چلیں، لیکن وہ قبلہ تبدیل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں ۔ اور انشاء اللہ کبھی نہ ہو سکیں گی ۔ بے عملی اور بد عملی سے تو یقیناً ہمیں سابقہ رہا ہے، لیکن کسی کو علانیہ اس خط سے ہٹنے کی ہمّت نہیں ہوئی اور اب جبکہ قراردادِ مقاصد آئین کے قابلِ نفاذ حصہ میں شامل ہو گئی ہے اس کی حیثیت دستور کی بقیہ دفعات اور ملکی قوانین کے لیے ایک کسوٹی کی ہو گئی ہے جس سے متصادم ہر قانون کو اور ہر حکم کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے ۔

اسلامی دستور

قراردادِ مقاصد منظور ہو جانے کے بعد جماعتِ اسلامی نے اس کی روشنی میں آئین سازی کے مسئلہ پر اپنی توجہ مرکوز کی ۔ اول تو حکمرانوں نے دستور بنانے میں بہت لیت و لعل سے کام لیا اور جب بنیادی اصولوں کی پہلی رپورٹ شائع ہوئی، تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حکومت قراردادِ مقاصد پاس کرنے کے باوجود ملک میں ایک سیکولر اور جمہوریت گریز آئین لانا چاہتی ہے ۔ اس رپورٹ پر جب ہر طرف سے احتجاج ہوا تو حکمرانوں نے اس کے جواز میں دو ایسی باتیں کہیں اور بڑے

طمطراق سے کہیں جوان کے نزدیک لاجواب کر دینے والی تھیں ۔ ایک یہ کہ اسلام تو سرے سے آئین کے مسئلہ سے بحث ہی نہیں کرتا اور اسلام نے آئین و دستور کے لیے کوئی اصول و احکام نہیں دیے ۔ دوسرے یہ کہ ہم سنّی، شیعہ ، بریلوی، دیوبندی کونسا اسلام نافذ کریں؟ پہلے چیلنج کے جواب میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و سنّت کے حوالوں سے اسلامی آئین کے بنیادی اصول بیان فرمائے ۔ یہ اصول اگرچہ اسلام کی بنیادی تعلیمات ہی سے لیے گئے تھے، لیکن اس لحاظ سے اپنے اندر ایک ندرت رکھتے تھے کہ صدیوں کے دورِ غلامی نے مسلمان اہلِ علم کو ریاست اور حکومت کے مسائل و معاملات سے بے تعلق کر دیا تھا اور انہیں ان مسائل پر توجہ دینے اور انہیں سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا، لیکن جب مولانا مودودیؒ نے انہیں پیش کیا تو انہیں علماء سے بھی تائید ملی اور حکمران جو لاجواب کرنے چلے تھے خود لاجواب ہو گئے ۔ دوسرے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے جماعتِ اسلامی اور کچھ دوسرے علمائے کرام کی مساعی سے ۱۹۵۱ء میں مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام مسلمہ مکاتبِ فکر کے چوٹی کے اکتیس علماء کرام کراچی میں جمع ہوئے اور انہوں نے چند روز کے اندر اسلامی آئین کے ۲۲ نکات متفقہ طور پر منظور کر کے ان کا اعلان کر دیا ۔ یہ دونوں اقدامات ایسے تھے جن کے بعد اسلامی دستور کی تشکیل و تدوین روکنے کے لیے حکمرانوں کے پاس کوئی عذر اور بہانہ باقی نہ رہا ، لیکن اس کے باوجود جماعتِ اسلامی کو اسلامی دستور کے لیے ایک طویل اور جانگسل مہم چلانی پڑی جس کے دوران رائے عامہ کو بیدار، متحرک اور منظّم کرنے کا کٹھن کام ہی درپیش نہ تھا بلکہ بڑی سخت آزمائشوں اور ابتلا سے بھی گزرنا پڑا ۔ لاہور میں مارشل لاء لگا ۔ مولانا مودودیؒ کو سزائے موت سنائی گئی ۔ دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ ان تمام رکاوٹوں اور حربوں کے باوجود جماعتِ اسلامی کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

کے مصداق اس کی جدّ و جہد کو اس بادِ مخالف نے زیادہ تیز کر دیا ۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہوئی تھی اس کے بعد سات سال کی پر آشوب جدّ و جہد بالآخر مارچ ۱۹۵۶ء میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ایک ایسا دستور بن گیا جو اپنی متعدد خامیوں کے باوجود ایک اسلامی جمہوری آئین کے کم سے کم تقاضے پورے کرتا تھا ۔ اس کے رہنما اصولوں میں قراردادِ مقاصد کی بہت سی شقوں کو سمونے کے علاوہ اس کے قابلِ نفاذ متن میں یہ بات صراحت کے ساتھ طے کر دی گئی کہ آئندہ ملک میں کوئی ایسا قانون نہیں بن سکے گا جو قرآن و سنّت کے خلاف ہو اور موجودہ قوانین کو قرآن و

سنّت کے مطابق ڈھالا جائے گا ۔

ایک اسلامی آئین کی منظوری پاکستان میں جماعتِ اسلامی کے کردار کا دوسرا بڑا سنگِ میل تھا جس نے ہمیشہ کے لیے یہ طے کر دیا کہ پاکستانی ریاست کی بنیاد قرآن و سنّت پر استوار ہو گی ۔ یہ پورے عالمِ اسلام میں پاکستان کا ایک اعزاز بھی تھا ۔ بعد میں آئین کے اس اسلامی رنگ کو بدلنے یا کمزور کرنے کی متعدّد کوششیں ہوئیں۔ کبھی ریاست کے نام سے اسلام کو خارج کیا گیا، کبھی سوشلزم کو دستور میں داخل کیا گیا، لیکن جماعتِ اسلامی کی بروقت مزاحمت کی بنا پر الحمد للہ ہر بار ان مذموم کوششوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور وقت گزرنے کے ساتھ آئین کا اسلامی رنگ مزید گہرا تو ہوا ہے ہلکا نہیں کیا جا سکا ۔

یہ بات صحیح ہے کہ اسلامی دستور کے تقاضوں سے اغماض برتا گیا اور اس کے نتیجہ میں معاشرے میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں آئی ۔ ہمہ گیر اسلامی انقلاب کے لیے ابھی اور کام کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اسلامی انقلاب اس وقت آئے گا جب دستور کے ساتھ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا جو اس پر سچا ایمان بھی رکھتے ہوں اور اپنی زندگی میں اس پر عمل بھی کرتے ہوں نیز جو اقتدار کے لیے اسلام کا نام نہ لیتے ہوں بلکہ صرف اسلام کے نفاذ کی خاطر اقتدار حاصل کریں، لیکن یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اسلامی دستور بن جانے کے بعد آئین و قانون مکمل اسلامی نظام لانے کی جدّ و جہد کا راستہ کھولنے کا ذریعہ بن گیا ہے ۔ قراردادِ مقاصد اور اسلامی دستور کی اہمیت کا صحیح ادراک کرنے کے لیے برادر مسلمان ملک ترکی کو دیکھ لیجیے جہاں جمہورت تو ہے، لیکن دستور سیکولر ہے جس کے تحت مذہب کو امورِ ریاست و سیاست میں دخل دینے کی ممانعت ہے ۔ عوام اور حکمران دونوں مسلمان ہیں، وہاں مسلمان نمازیں پڑھ سکتے ہیں، روزے رکھ سکتے ہیں، حج کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہاں مسلمان اسلامی نظامِ حکومت کی یا قانونِ شریعت کی بات کرے تو اس کی سزا پھانسی کا تختہ ہے ۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اسلامی دستور کی منزل ہم نے پاکستان کے مسلمان عوام کی تائید سے پائی ہے اور جماعت سے باہر علماء کرام اور بعض دینی جماعتوں نے بھی اس کے لیے مؤثر آواز اٹھائی ہے، لیکن اس سفر کی رہنمائی و قیادت اور اس کے لیے بھرپور جد و جہد جماعتِ اسلامی کے لیے مقدّر تھی اور جماعت نے اللہ کی تائید و نصرت کے ساتھ اس کا حق ادا کیا ہے اور اس طرح پاکستان میں جماعتِ اسلامی کے کردار کا یہ ایک امتیازی نشان اور اس کی پہچان بن گیا ہے ۔

فکری کام

یہ تمام کامیابیاں اور ان کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن جماعت کا اصل کردار اور سب سے بڑا کارنامہ عہدِ حاضر میں اسلام کے خالص اور اصل تصوّر اور نظریہ کو جس کے نقوش امّت کے ذہنوں میں دھندلا گئے تھے، اجاگر کرنا اور نکھار کر پیش کرنا ہے ۔ مغرب کے سیاسی تسلّط اور علمی و سائنسی غلبہ کے اثرات کے تحت اسلام بھی محض ایک مذہب بن کر رہ گیا تھا جو چند عبادات و رسوم اور نکاح و طلاق وغیرہ کے شخصی قانون تک محدود تھا ۔ ان میں دین و دنیا کی تفریق عملاً پوری طرح سرایت کر چکی تھی ۔ اس پس منظر میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے اصل نظریہ کو پیش کیا کہ اسلام ایک کامل دین، یعنی مکمل نظامِ حیات ہے جس کی تعلیمات ابدی ہیں اور جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں اور ہر زمانہ میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے ۔ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے جسے انفرادی اور اجتماعی خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا ۔ جس طرح نماز روزہ فرض ہے، اسی طرح اسلام کے اجتماعی ضابطے اور قانون پر عمل کرنا بھی فرض ہے ۔ حاکمیت مطلق کسی انسان، کسی ادارے یا تمام نوعِ انسانی کو مل کر بھی حاصل نہیں ہے، بلکہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے جو کائنات کا خالق اور مالک بھی ہے اور اسے پالنے والا اور چلانے والا بھی ہے ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آذری

مولانا مودودیؒ نے اسلام کے اس اصل تصوّر کو پورے زورِ استدلال کے ساتھ اور پوری شرح و بسط کے ساتھ پیش فرمایا ۔ اسلام کے مقابلے میں دوسرے نظام ہائے زندگی، جن کا آج دنیا میں سکہ چل رہا ہے ان پر بھرپور تنقید کر کے ان کا بودا اور باطل ہونا ثابت کیا ۔ اسلام کے بارے میں عصرِ حاضر کے ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کا اطمینان بخش جواب دیا ۔ مغربی مفکرین کے پھیلائے ہوئے کانٹوں کو ایک ایک کر کے چنا اور اسلام کے واحد ذریعۂ صلاح و فلاح ہونے کو ثابت کیا ۔ بالخصوص اسلامی ریاست و حکومت اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا، حتّٰی کہ نئی تعلیم یافتہ نسل اسلام کی حقانیت اور اس کے ایک ایسے نظامِ زندگی ہونے پر مطمئن ہو گئی جو دورِ حاضر کے تمام دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے ۔ اس فکری و قلمی جہاد کے نتیجہ میں ایک وسیع اور زوردار لٹریچر وجود میں آیا جسے جماعت کے کارکنوں نے خود جذب بھی کیا اور تقسیمِ کتب، لائبریریوں ، دارالمطالعوں، درسِ قرآن، مجالس و

اجتماعات ، اور جلسوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ ملک ملک، شہر شہر، بستی بستی اور گلی گلی پہنچانے کے لیے انتھک محنت کی ، نتیجہ یہ ہوا کہ عام تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک فکری تبدیلی پیدا ہوئی اور پہلے سینکڑوں پھر ہزاروں اور پھر لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں جن میں سے ایک کثیر تعداد نے اس تبدیلی کے لیے مصائب و نقصانات برداشت کیے ۔ نوجوانوں کو گھروں سے نکالا گیا ۔ جائیداد سے عاق کیا گیا ۔ بے شمار لوگوں نے رزقِ حلال کی خاطر عمدہ ملازمتیں اور نفع بخش کاروبار تج دیے ۔ بسا اوقات پتھر کھانے پڑے اور گالیاں سننی پڑیں، لیکن یہ سب مصائب و آلام انہیں اپنے ایمان و یقین سے متزلزل کرنے کے بجائے پختہ کرنے کا ذریعہ بنے ۔

ہمارا نظامِ تعلیم

جو انگریز نے اپنی حکومت کے کل پرزے تیار کرنے اور ہماری نئی نسلوں کے اذہان اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے قائم کیا تھا وہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی جوں کا توں قائم رہا۔ اس نظامِ تعلیم کے تحت ہماری نوجوان نسل کی ایک کثیر تعداد الحاد اور زندقہ میں مبتلا ہو رہی تھی ۔ عقائدِ اسلام کے بارے میں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شکوک و شبہات عام ہو رہے تھے ۔ شعائر اسلام نماز، روزہ ، ڈاڑھی کو پس ماندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا ۔ اعلیٰ تعلیم گاہوں میں ایسے اساتذہ اور طلبہ کا غلبہ تھا جو الحاد اور اشتراکیت کے علمبردار تھے اور ہماری یہ تعلیم گاہیں مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں قتل گاہیں بنی ہوئی تھیں ۔ ان حالات میں مولانا مودودیؒ کی فکر اور جماعتِ اسلامی کی کاوشوں نے نہ صرف طلبہ کی نوجوان نسل کو الحاد و اشتراکیت سے بچا لیا بلکہ رفتہ رفتہ انہیں دین کا علمبردار بنا کر کھڑا کر دیا اور ایک وقت آیا کہ الحاد اور اشتراکیت کی یہ شکار گاہیں اسلام کے قلعے بن گئے، جن میں الحاد و اشتراکیت کا نام لینا دشوار ہو گیا ۔

آج کا وہ نوجوان جس نے اس ماحول میں شعور حاصل کیا ہے جب صدرِ مملکت سے لے کر حکومت کا ہر چھوٹے سے چھوٹا عہدے دار، ہر سیاستدان اور ہر دانشور اسلام کے گن گاتا ہے اور اسے ایک مکمل نظامِ زندگی قرار دیتا ہے ۔ وہ نوجوان اسے ایک فطری کیفیت سمجھتا ہے ۔ کیونکہ ایک مسلمان معاشرے کی فطری حالت یہی ہو سکتی ہے ۔ اسے یہ بات سمجھانے کے لیے کہ یہ کیفیت ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی، بلکہ کسی کام اور جدّوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے، آج سے نصف صدی پہلے کی حالت کی چند جھلکیاں دکھانا ضروری ہے ۔ اس وقت ہمارے معاشرے کا یہ حال تھا کہ تعلیم یافتہ سوسائٹی میں شعائرِ اسلام کو پس ماندگی کی علامت سمجھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا تھا ۔ کسی نوجوان کا ڈاڑھی رکھنا اسے سول اور فوج کے اعلیٰ عہدوں کے لیے نااہل بنا دینے کے لیے کافی

تھا جس کی پاکستان بننے کے بعد کی مثالوں سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں ۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں برملا یہ کہا جاتا تھا کہ سائنس کی حیران کن ترقی کے اس دور میں اسلام قابلِ عمل نہیں رہا ۔ ہمارے قانون دان طبقہ میں اسلام کے تعزیری قوانین کو 'وحشیانہ' سمجھا جاتا تھا ۔ سنّت کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ قصے کہانیاں ہیں جن میں صحیح اور غلط کی تمیز ممکن نہیں ہے، لہٰذا یہ ماٰخذ قانون نہیں بن سکتی، جناب اے ۔ کے بروہی مرحوم جو بعد میں اسلامی نظام کے حامی اور موید بنے اور اسلام اور تحریکِ اسلامی کی بڑی خدمت بھی کی۔ ان کا انگریزی روزنامہ 'ڈان' کراچی میں چھپنے والا وہ مضمون قانون دان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے اس وقت کے ذہن کی پوری عکاسی کرتا ہے جس میں انہوں نے اعلان فرمایا کہ اگر کوئی صاحب قرآن سے اسلامی دستور کے احکام نکال دیں تو وہ انہیں پانچ ہزار روپے بطور انعام دیں گے، حتیٰ کہ کچھ علماء کرام نے بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ اسلامی ریاست قائم کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک شیخ الاسلام کا منصب ہو اور ایک وزارت اوقاف ہو ۔

اس کیفیت کے مقابلہ میں آج تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات اور عصرِ حاضر میں قابلِ عمل تسلیم کرتا ہے اور اس کی اکثریت اس پر مطمئن ہے ۔ ہمارے وکلاء اور جج اسلام کے تعزیری قوانین کو نہ صرف صحیح سمجھتے ہیں . بلکہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں ان کی برتری پر تقریریں کرتے ہیں ۔ سنّت کو قرآن کی طرح قانون کا ماخذ مانتے ہیں ۔ اسلام کے آئینی اصولوں کا وجود بھی مسلّم ہو چکا ہے ۔ اور وہ ایک حد تک آئین کا حصہ بن چکے ہیں اور اسلام کا نظامِ حیات ملّتِ پاکستان کا قومی نظریہ بن چکا ہے ۔ یہ عظیم تبدیلی ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے ۔ اس تبدیلی میں علماء کرام اور دوسری دینی جماعتوں کا بھی حصہ ہے . لیکن اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اس میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی قیادت میں جماعتِ اسلامی کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی جس نظریہ کو لے کر اٹھی تھی اسے واضح طور پر فکری غلبہ حاصل ہو چکا ہے جو ایک نہ ایک دن عملی غلبہ پر منتج ہو کر رہے گا ۔ انشاءاللہ۔

اس نظریہ نے نہ صرف پاکستان میں قبولِ عام حاصل کر لیا ہے، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اس کی گونج سنی جا رہی ہے ۔ اس فکر پر مشتمل لٹریچر کا جماعتِ اسلامی نے کم و بیش تیس زبانوں میں ترجمہ کر کے پوری دنیا میں پھیلایا ہے اور ہر مسلمان ملک کے پڑھے لکھے لوگوں میں یہ مقبول ہو رہا ہے، بالخصوص مسلمانوں کی نوجوان نسل خود اس کی داعی بن کر اٹھ رہی ہے اور ہر مسلمان معاشرہ میں اصل اسلام کی طرف لوٹنے کی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں ۔ آج پورے کرۂ ارض پر جہاں بھی مسلمان آباد ہیں یہ نظریہ اور اس پر مشتمل لٹریچر وہاں پہنچا ہے اور اس کے زیرِ اثر کہیں کم اور کہیں زیادہ ہلچل پیدا ہوئی ہے ۔ چونکہ اس تحریک کا مرکز پاکستان ہے اس وجہ سے آج پاکستان پوری دنیا

میں کروڑوں مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہے ۔

پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا یہ وہ کردار ہے جس پر پاکستان کو فخر ہونا چاہیے، جماعت کا یہ کردار امتِ مسلمہ کے ایک نئے دور کی تمہید ہے ۔ اس کے اثرات انشاء اللہ صدیوں تک رہیں گے ۔

فتنوں کی سرکوبی

جماعتِ اسلامی کو اس جہاد کے دوران مختلف فتنوں کا بھی سامنا رہا ہے اور اس نے ان کا قلع قمع کرنے میں بھی بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے چند بڑے فتنوں کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہو گا ۔ اس دور کا سب سے بڑا عالمی فتنہ اشتراکیت اور سوشلزم ہے جس نے کرۂ ارض کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے کر اور کروڑوں انسانوں کو جبر کے شکنجہ میں کس کر ناقابلِ بیان مصائب و آلام سے دوچار کیا ۔ ستر سال کے تجربہ کے بعد اگرچہ اب وہ خود اپنے مرکز میں شکست سے دوچار ہے ، لیکن جس وقت پاکستان بنا اس وقت وہ اپنے شباب پر تھا اور پوری دنیا کو زیر و زبر کر رہا تھا ۔ پاکستان میں بھی اس کے ایجنٹ اور اس کے موئد نہ صرف سرگرم تھے، بلکہ وہ اعلیٰ، تعلیمی اداروں، مزدوروں اور ادب و صحافت کے اعصابی مراکز پر بلاشرکتِ غیرے قابض اور مسلّط تھے ۔ انہوں نے روس کی پشتیبانی، وسیع لٹریچر اور اپنے پروپیگنڈے کے بل پر دانشور طبقہ میں ہلکے پھلکے سرخ رنگ کو فیشن بنا دیا تھا ۔ جماعتِ اسلامی کو شروع ہی سے اس خطرے کا احساس تھا اور وہ اس کے تدارک کی فکر کرتی رہی تھی ، چنانچہ جیسے جیسے طلبہ، مزدوروں اور صحافیوں میں اسلامی تحریک کے اثرات بڑھے اشتراکی اور سوشلسٹ عناصر کو پسپا ہونا پڑا ۔ اسلامی دستور کی مہم اور بعض دوسرے اہم امور سے جب قدرے فراغت ملی تو جماعت نے فکری اور علمی محاذ پر سوشلزم کا بھرپور مقابلہ کرنے کا پروگرام بنایا 'ماہنامہ چراغ راہ' کا سوشلزم نمبر شائع کیا گیا جس میں کمیونزم اور سوشلزم پر ہر پہلو سے مسکت علمی تنقید کی گئی، اس کے بعد ان مضامین کو اور بہت ساری دوسری تحریروں کو کتابچوں کی شکل میں چھاپ کر بڑے پیمانے پر ملک میں پھیلایا گیا۔ اس سلسلہ میں کم و بیش پچاس کتابچے شائع کیے گئے ۔ سوشلزم کے خلاف جماعت کے اس جہاد میں دوسرے دینی عناصر نے بھی تعاون کیا ۔ سوشلسٹ عناصر نے غنڈہ گردی اور تشدّد کا بھی سہارا لیا، لیکن جماعت کی ردِّ سوشلزم مہم اس قدر زوردار تھی کہ اس نے دلیل و فکر کے میدان میں کمیونزم اور سوشلزم کے پاؤں اکھاڑ دیے ۔ سوشلزم کے حامیوں نے اسلامی سوشلزم کی آڑ لی لیکن یہ بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی ۔ فکری میدان میں شکست کھانے کے باوجود یہ عناصر اگرچہ کہیں کہیں اپنی کمین گاہوں میں

بیٹھے ہیں، لیکن طلبہ اور مزدوروں پر اب ان کا تسلّط نہیں رہا ۔ صحافت اور سرکاری ذرائع ابلاغ، بالخصوص ٹی وی کے ذریعہ یہ اپنا زہر پھیلاتے رہتے ہیں، تاہم اب چونکہ اشتراکیت خود اپنے گھر میں مسترد ہو چکی ہے۔ اس لیے یہ کوئی نظریاتی خطرہ نہیں بن سکتے، البتہ ان کی خلافِ اسلام سرگرمیاں اور سازشیں جاری ہیں ۔ جو اباحیت پسندی اور عریانی و فحاشی کو پھیلانے کا ذریعہ بن رہی ہیں ۔

دوسرا بڑا فتنہ انکارِ سُنّت کا تھا ۔ جس کا مقصد سُنّت سے رشتہ کاٹ کر امّت کو ایک بے لنگر جہاز بنا دینا تھا، جسے وقت کی لہریں ادھر سے ادھر لیے پھریں ۔ غلام احمد پرویز صاحب کی سرکردگی میں اس فتنہ نے جدید تعلیم یافتہ ذہن کو کافی متأثر اور گمراہ کر رکھا تھا جس کی بازگشت وقتاً فوقتاً سنائی دیتی رہتی تھی۔ اسی کا ایک حصہ وہ مراسلت تھی جو اس موضوع پر ڈاکٹر ودود صاحب اور مولانا مودودیؒ کے مابین ہوئی، بالآخر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس مسئلہ پر "ماہنامہ ترجمان القرآنؔ کا ایک خصوصی نمبر شائع کیا جس میں سنّت کی دینی اور آئینی حیثیت پر پوری شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ۔ یہ بحث اس قدر مدلّل اور زوردار تھی کہ اس کا کوئی جواب منکرینِ حدیث کے پاس نہیں تھا ۔ یہ بحث بعد میں "سنّت کی آئینی حیثیت" کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کر دی گئی ہے ۔ اگرچہ اس قسم کے فتنے کبھی بالکل معدوم نہیں ہوتے لیکن اب اس میں کوئی دم خم نہیں رہا اور ان کے سابقہ اثرات بھی اب بہت محدود ہو گئے ہیں ۔

تیسرا بڑا اور خطرناک فتنہ قادیانیت کا ہے ۔ جسے شروع ہی سے انگریزی حکومت کی پوری سرپرستی حاصل رہی ہے۔ یہ امّت کے اس رشتہ کو کاٹ کر اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش تھی جس نے ختمِ رسالت کے عقیدہ کے ذریعہ امّت کو ایک وحدت میں پرویا ہوا ہے ۔ اور پوری امّت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر مجتمع ہے ۔ علمائے کرام اور مختلف دینی جماعتیں شروع ہی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتی رہی ہیں اور پاکستان بننے کے بعد جب اس فتنہ کا مرکز قادیان سے ربوہ منتقل ہو گیا تو اس مقابلہ میں مزید شدّت پیدا ہو گئی ۔ ۱۹۵۳ء میں جب قادیانی فتنہ کے خلاف ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی تو مولانا مودودیؒ نے قادیانی علم الکلام کی بحثوں میں الجھے بغیر عام فہم انداز میں ایک کتابچہ لکھ کر اس فتنہ کی حقیقت اور اس کے سیاسی عزائم و مضمرات سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا اور قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا ۔ جس سے عام پڑھے لکھے مسلمان جو اسے محض ایک مذہبی بحث سمجھتے تھے وہ بھی اس کے خطرات سے آگاہ ہوئے اور اس فتنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ بد قسمتی سے تحریک فسادات کا شکار ہو گئی اور لاہور میں مارشل لاء لگ گیا۔ پنجاب میں جماعت کے سینکڑوں رہنما گرفتار ہوئے ۔ مولانا مودودیؒ کو مارشل لاء حکام

نے گرفتار کر کے 'قادیانی مسئلہ' کتابچہ لکھنے پر موت کی سزا سنائی ۔ حکام کا خیال تھا کہ مولانا مودودیؒ رحم کی اپیل کریں گے، لیکن مولانا مرحوم و مغفور نے یہ کہہ کر رحم کی اپیل کرنے سے خود بھی انکار کر دیا اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی منع فرما دیا کہ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں۔ اگر میری موت کا فیصلہ وہاں ہو چکا ہے تو کوئی مجھے بچا نہیں سکتا، لیکن اگر وہاں میری زندگی کا فیصلہ ہے تو یہ حکمران خود الٹے لٹک جائیں گے مجھے نہیں لٹکا سکتے ۔ بعد میں اندرونِ پاکستان و بیرونِ پاکستان پر زور احتجاج کے نتیجہ میں یہ سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی ۔

ان فسادات کی انکوائری کے لیے چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل جو انکوائری کمشن بنایا گیا اس میں پورا قادیانی مسئلہ زیر بحث آیا ۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا اور جماعتِ اسلامی نے اس میں بھرپور حصہ لیا ۔ اس انکوائری کمیشن کے سامنے زبانی جرح کے علاوہ مولانا مودودیؒ نے تین تحریری بیانات داخل کیے جن میں اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا اور کمشن کی طرف سے قادیانیت کے بارے میں اٹھائے گئے تمام سوالات کا مفصّل جواب دیا گیا ۔ ان بیانات میں اس مسئلہ کے ہر پہلو کو واضح کر دیا گیا ہے ۔ اور پھر جب منیر انکوائری رپورٹ شائع ہوئی تو یہ صرف جماعتِ اسلامی تھی جس نے اس رپورٹ پر مفصل علمی تبصرہ کیا اور رپورٹ کی دھجیاں بکھیر دیں ۔ جماعت کا یہ تبصرہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا ہے ۔

فسادات، مارشل لاء اور انکوائری کمشن سب کے باوجود اس وقت کے حکمرانوں نے یہ مسئلہ حل کرنے سے پہلو تہی کی اور قادیانیوں کے خلاف لاوا پکتا رہا ۔ جماعتِ اسلامی بھی قادیانیت کے خلاف کام کرتی رہی اور دوسری دینی جماعتیں بھی مسلسل اس مسئلہ کو اٹھاتی رہیں ۔ بالآخر تقریباً بیس سال بعد ۱۹۷۴ء میں ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں کی جانب سے نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ، جن کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے تھا، پر ایک طے شدہ منصوبے کے تحت حملہ کر کے بہت سے نہتے طلبہ کو زخمی کر دیا گیا ۔ اس واقعہ کا شدید اور فوری ردِّ عمل پورے ملک میں ہوا اور قادیانیوں کے خلاف پکتا ہوا لاوا ابل پڑا ۔ جماعتِ اسلامی نے دوسری دینی اور محبِّ وطن جماعتوں کے ساتھ مل کر مجلسِ عمل برائے تحفّظِ ختمِ نبوت کی تشکیل کی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے، انہیں کلیدی آسامیوں سے ہٹانے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے مطالبات پیش کیے اور اس ردِ عمل کو ایک پرامن ہمہ گیر اور منظم تحریک میں ڈھالا ۔ واقعۂ ربوہ کی تحقیقات کے لیے جو ٹریبونل بنا جماعت نے اس میں بھی پوری دلچسپی لی اور تحریک میں بھی بھرپور کردار ادا کیا ۔ پارلیمانی محاذ پر جماعت کے

پارلیمانی لیڈر پروفیسر غفور احمد صاحب نے مؤثر اور نمایاں کردار ادا کیا ۔ اس ملک گیر، منظم اور زوردار تحریک نے بالآخر وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے حلیف قادیانیوں اور لاہوریوں کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ غیر مسلم اقلیت قرار دے دیں۔ یہ ترمیم ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے اتفاقِ رائے سے منظور کر لی، تاہم قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹانے اور اپنی حدود میں رکھنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہ ہوا ۔ خود قادیانیوں نے اس ترمیم کو عملاً تسلیم نہ کیا اور ان کی ریشہ دوانیاں اور اشتعال انگیزیاں جاری رہیں، لہٰذا اس فتنہ کے خلاف جدّ و جہد بھی جاری رہی ۔ پھر جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں عوامی دباؤ کے نتیجہ میں ایک آرڈی ننس کے ذریعہ انہیں امتِ مسلمہ کے شعائرِ مسجد، کلمہ اور اذان .... کو استعمال کرنے سے روک دیا گیا ۔ ان پابندیوں اور عوامی دباؤ کے نتیجہ میں اب انہوں نے اپنا مرکز ربوہ سے اپنے سرپرستوں کے دیس انگلستان میں منتقل کر لیا ہے ۔ اور ان کی سرگرمیاں بھی کچھ ماند پڑ گئی ہیں ۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس فتنہ کا قلع قمع ہو گیا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ اب پاکستان کی حد تک یہ دب گیا ہے ۔

ان میں سے ہر فتنہ ایک اہم محاذ تھا ۔ ہر ایک محاذ پر جماعتِ اسلامی نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے اور ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہمکنار کیا ہے ۔

جہادِ کشمیر

۱۹۴۸ء میں مطالبۂ نظامِ اسلامی کی مہم کے دوران مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کے رفقا کو گرفتار کر کے ان پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان میں جہادِ کشمیر کی مخالفت بھی شامل تھی ۔ آئیے ذرا کشمیر اور جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کا کردار بھی دیکھ لیں ۔ قیامِ پاکستان کے تھوڑے عرصہ بعد ہی مولانا مودودیؒ نے اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ سے ملاقات کر کے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ افراتفری کا وقت ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو اپنے جائز حق کشمیر پر قبضہ کر لینا چاہیے جو ان حالات میں بغیر کسی بڑی مزاحمت کے ہو سکتا ہے ۔ نواب ممدوٹ نے جواباً فرمایا کہ حکومت تمام حالات سے باخبر ہے اور وہ جو کچھ پاکستان کے مفاد میں سمجھے گی، کرے گی ۔ پھر جب کشمیر میں جہاد شروع ہو گیا تو مولانا مودودیؒ کا موقف یہ تھا کہ اب پاکستان کو علی الاعلان کشمیر میں اپنی فوج بھیج کر اس مسئلہ کو حل کر لینا چاہیے ۔ یہ دو مواقع ضائع ہو جانے کے بعد پھر ۱۹۶۵ء میں کشمیر میں جو کیفیت پیدا ہوئی اس کے بارے میں اس بحث میں جائے بغیر کہ آیا اس کے پیچھے واقعی آزادیٔ کشمیر کا مقصد کارفرما تھا یا ایوب حکومت کے بعض عناصر

کوئی اور سیاسی کھیل کھیلنا چاہتے تھے ۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کشمیری مسلمانوں نے اسے جہادِ آزادی سمجھ کر اس میں حصہ لیا اور اس کے نتیجہ میں ان کی بہت بڑی تعداد کو لٹی پٹی حالت میں آزاد کشمیر میں دھکیل دیا گیا۔ اس موقعہ پر جماعتِ اسلامی نے بھاری تعداد میں سامان اور نقد روپیہ جمع کر کے حکومتِ آزاد کشمیر کی معرفت اور جماعت کے اپنے امدادی مراکز سے ۱،۲۴،۸۵۷ مہاجرینِ کشمیر میں تقسیم کیا اس موقعہ پر ملک کے دوسرے بہت سے اداروں نے بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیا لیکن حکومتِ آزاد کشمیر کے ریلیف شاہد ہیں کہ جماعتِ اسلامی کی فراہم کردہ اعانت دوسرے اداروں کے مجموعی سامان سے بھی زیادہ تھی ۔ فراہمیٔ سامان کے علاوہ جماعت نے آٹھ مقامات پر طبّی امداد کے مراکز قائم کر کے ۱،۰۳،۰۱۶ مریضوں کا علاج کیا نیز سرحدی علاقوں میں ۲۲۹ مساجد کی آباد کاری کا بھی انتظام کیا ۔ حکومتِ آزاد کشمیر کے صدر نے جماعتِ اسلامی کی جہادِ کشمیر کے لیے ان گراں قدر خدمات کا ایک خط کے ذریعہ اعتراف فرمایا اور اس کی تحسین کی ۔

مولانا مودودیؒ جن بین الاقوامی کانفرنسوں میں تشریف لے گئے ہمیشہ وہاں مسئلہ کشمیر پیش کر کے اس کے حق میں قرارداد منظور کرواتے تھے ۔ عالمی رائے عامہ کو مسئلہ کشمیر کی حقیقت سمجھانے کے لیے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک کتابچہ تصنیف کیا جس کو عربی، انگریزی، فرانسیسی، اور بنگلہ زبان میں ترجمہ کر کے ہزاروں کی تعداد میں مختلف ممالک میں تقسیم کیا گیا ۔ مولانا مودودیؒ کے بعد میاں طفیل محمد صاحب اور جماعت کے دیگر رہنما بھی مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی کانفرنسوں میں اٹھاتے رہے ہیں ۔

جہادِ پاکستان

جماعتِ اسلامی کے مخالفین جماعت پر پوری ڈھٹائی سے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا بے بنیاد الزام لگاتے رہتے ہیں حالانکہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مولانا مودودیؒ نے دو قومی نظریہ کی فکری اور قلمی خدمت کے ذریعہ تحریکِ پاکستان کی راہ ہموار کی۔ اب میں تحفظِ پاکستان کے لیے مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب بھارت نے اچانک مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا تو مولانا مودودیؒ نے جنرل ایوب خان کی حکومت کے تمام مظالم، زیادتیوں اور اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دفاعِ پاکستان کے لیے حکومت کو جماعت اسلامی کے غیر مشروط اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا ۔ مولانا مودودیؒ نے ریڈیو پاکستان سے متعدد تقریریں کر کے قوم اور افواجِ پاکستان میں ناقابلِ تسخیر جذبۂ جہاد پیدا کیا اور پوری جماعت اپنی دوسری تمام سرگرمیاں بند کر کے دفاعِ وطن کی جدوجہد میں لگ گئی ۔ ہر ضلع میں اور ہر سطح پر سعیٔ جہاد کے لیے جو کمیٹیاں

انتظامیہ کی طرف سے بنائی گئیں ان میں جماعت نے بھرپور حصہ لیا ۔ جماعت کے کارکنوں نے بڑی تعداد میں افواجِ پاکستان کی مدد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں ۔ جگہ جگہ رضاکارانہ طور پر اہم مقامات اور تنصیبات کی حفاظت اور پہرہ کا انتظام کیا ۔ فوجی یونٹوں کے لیے کھانا اور دوسری ضروریات فراہم کیں ۔ بھارت کے اچانک حملہ کے نتیجہ میں بعض سرحدی علاقوں میں عام آبادی کا شدید جانی نقصان بھی ہوا اور ان علاقوں کے باشندے بڑی تعداد میں بے گھر ہو کر اندرونِ ملک پناہ گزین ہوئے ۔ جماعتِ اسلامی نے ان جنگی بے گھروں کی امداد اور جنگ کے بعد ان کی دوبارہ آباد کاری میں نمایاں حصہ لیا ۔ اس سلسلہ میں بستر، کپڑے اور سامان خورد و نوش کی فراہمی کے علاوہ ان سرحدی علاقوں میں ۱۴،۷۷،۴۷ ،۱ مریضوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی ۔

اسی طرح جب ۱۹۷۱ء میں بھارت نے نہ صرف مشرقی پاکستان میں بغاوت کے لیے بنگلہ قوم پرستوں پر مشتمل مکتی باہنی کو تربیت دی اور مسلح کر کے افواجِ پاکستان سے لڑا دیا، بلکہ ان کی مدد کے لیے اپنے مسلح مداخلت کار بھی داخل کر دیے تو جماعتِ اسلامی نے پاکستان کی سالمیت اور تحفّظ کی خاطر فوج سے تعاون کا فیصلہ کیا، چنانچہ جماعت نے ایک طرف مکتی باہنی اور بھارتی مداخلت کاروں کا مقابلہ اور صفایا کرنے کے لیے رضاکار فراہم کیے اور دوسری طرف حالات کو سنبھالنے اور عام آبادی کی مشکلات رفع کرنے کے لیے دوسری محبِّ وطن جماعتوں کے ساتھ مل کر امن کمیٹیاں قائم کیں ۔

بنگلہ نیشنلزم کے جنون کے مقابلہ میں جماعتِ اسلامی مشرقی پاکستان نے جس خالص اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا وہ ہر مسلمان کے لیے مشعلِ راہ ہے اور اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ اسلام رنگ، نسل اور زبان ہر چیز سے بالا ہے اور صرف اسلام ہی ایک ایسا دین اور نظریہ ہے جسے اگر اخلاص کے ساتھ اپنایا جائے تو وہ عملاً نسلِ انسانی سے ان امتیازات اور تعصّبات کو مٹا سکتا ہے اور اگر واقعی اسلام کو پاکستان میں نظامِ زندگی کی بنیاد بنا لیا گیا ہوتا تو ہرگز وہ حالات پیدا نہ ہوتے جن کی وجہ سے پاکستان دولخت ہو گیا ، بہرحال جب قوم پرست عناصر نے اپنے مقاصد کے لیے بھارت کی مدد سے ملک کی سالمیت کو بھی داؤ پر لگا دیا تو جماعتِ اسلامی نے پاکستان کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دی ۔ جماعتِ اسلامی مشرقی پاکستان نے باغیوں اور بھارتی حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے ہزاروں نوجوان فراہم کیے جنہوں نے فوج کے شانہ بشانہ اپنے خون سے پاکستان کو بچانے کی جد وجہد کی ۔ یہاں میں 'البدر' کا خصوصی تذکرہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ یہ خالص اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لکھے پڑھے نوجوانوں پر مشتمل رضاکار فورس تھی جس نے بغیر کسی مادی طمع و لالچ کے خالصتہً جذبۂ جہاد سے اپنی جانیں پاکستان پر نچھاور کیں ۔ انہوں نے دشمن ہی کی

نہیں بعض اوقات لپنوں کی بھی زیادتیاں سہیں، لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی ۔ ان نوخیز مجاہدوں نے جن فوجی افسروں کے ساتھ مل کر دفاعِ پاکستان کی جنگ لڑی ان میں سے بعض مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ملنے کے لیے جماعتِ اسلامی کے مرکز میں آئے اور کہا کہ ہم صرف اس شخصیت کو دیکھنے آئے ہیں جس نے مشرقی پاکستان کے بنگالی نوجوان کو یہ سیرت و کردار اور پاکستان کے لیے یہ جانثاری دی ہے ۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو سب سے بڑھ کر ہر نوع کے ظلم و ستم اور قتل و غارت کا نشانہ بنایا گیا ۔ جماعت کے تقریباً دس ہزار کارکن اور حامی شہید کر دیے گئے ۔ دس بارہ ہزار کے درمیان جیلوں میں ڈالے گئے اور ہزارہا کی تعداد میں اپنے گھربار اور بے سہارا بیوی بچّوں کو خدا کے سپرد کر کے روپوش ہونے پر مجبور ہوئے ۔ مَیں جماعتِ اسلامی پر مخالفتِ پاکستان کی تہمت لگانے والوں سے پوچھتا ہوں کہ ان میں سے یا ان سے باہر وہ کون سا گروہ یا جماعت ہے جس نے پورے شعور کے ساتھ پاکستان کے تحفّظ کے لیے اس کے عشرِ عشیر بھی قربانی دی ہو ؟ جماعتِ اسلامی، پاکستان کی سرزمین کو اسی طرح مقدّس سمجھتی ہے جیسے مسجد کی زمین مقدّس ہوتی ہے، اس لیے اس کی حفاظت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہے اور مشرقی پاکستان میں اس نے اپنے اس کردار کا عملی مظاہرہ کر کے دکھا دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں جماعتِ اسلامی نے شجاعت و قربانی اور صبر و استقامت کی جو تابندہ مثالیں قائم کی ہیں ان کی داستانیں انشاء اللہ اسلام کے شیدائیوں اور تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو ہمیشہ گرماتی رہیں گی اور انہیں جوانمردی اور جرأت کا درس دیتی رہیں گی ۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھٹو صاحب نے مغربی پاکستان میں بطور سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اقتدار سنبھال لیا اور معاہدۂ شملہ کے نام سے معاہدۂ تاشقند کا اعادہ کرتے ہوئے بھارتی جارحیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ۔ اس کے بعد وہ بنگلہ دیش کو باقاعدہ تسلیم کرنے کے لیے زمین ہموار کرنے لگے ۔ جماعتِ اسلامی نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک چلائی اور امیرِ جماعتِ اسلامی محترم میاں طفیل محمد نے ہر جگہ بھٹو صاحب کا تعاقب کیا ۔ اس طرح پورے دو سال تک انہیں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی ہمّت نہ ہو سکی ۔ بالآخر انہوں نے فروری ۱۹۷۴ میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلائی اور اس کی آڑ میں بنگلہ دیش کو قانونی جواز دے دیا اور اس طرح اس ڈرامہ کا ڈراپ سین ہو گیا ۔

آمریت کی مخالفت

جماعتِ اسلامی اصولی طور پر آمریت کو غلط سمجھتی ہے اور شروع سے آمریت کی مخالف رہی

ہے ۔ اسی طرح ہم مارشل لاء کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ملک کو کسی شدید بحران یا خانہ جنگی سے بچانے کے لیے اگر اور کوئی چارۂ کار نہ ہو تو عارضی طور پر مارشل لاء کو گوارا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ شریعت سے تجاوز یا تعرّض نہ کرے، لیکن اسے برسوں طرزِ حکمرانی کے طور پر اختیار کر لینے کا ہمارے نزدیک کوئی جواز نہیں ہے۔ جماعتِ اسلامی اپنے اس موقف پر ہر آمریت اور ہر مارشل لاء دور میں قائم رہی ہے اور حالات کے مطابق ان کو بدلنے کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرتی رہی ہے ۔ جب غلام محمد نے بطور گورنر جنرل آمرانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا تو جماعت نے نہ صرف اس کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ اسمبلی کے اسپیکر جناب مولوی تمیزالدین خان کو آمادہ کر کے اس اقدام کو عدالتِ عالیہ میں چیلنج کروایا اور اس کے لیے ہر قسم کی تائید و اعانت فراہم کی ۔ ایوب خان کی آمریت سے ملک کو نکالنے کے لیے ہم نے سی او پی، پی ڈی ایم اور ڈیک میں شریک ہو کر جدّ و جہد کی، بھٹو کی آمریت سے نجات کے لیے جماعت نے پہلے یو ڈی ایف میں اور پھر پاکستان قومی اتحاد میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان تمام اتحادوں میں جماعت کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی رہی ہے ۔ ضیاء الحق کے طویل مارشل لاء کو بھی ہم نے کبھی جائز تسلیم نہیں کیا، البتہ جنرل ایوب خان اور مسٹر بھٹو کے خلاف چلائی گئی تحریکات کے تجربات اور ان کے نتائج کے پیشِ نظر جماعت نے مارشل لاء سے گلو خلاصی کے لیے اپنی حکمتِ عملی ضرور تبدیل کی ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ ایجی ٹیشن کے ذریعہ فوج کو واپس بیرکوں میں دھکیلنے کی کوششوں کا نتیجہ پاکستان میں اور دیگر ممالک میں بھی ہمیشہ ایک نئے اور تازہ دم جرنیل یا آمر کی شکل میں نکلا ہے الاماشاءاللہ۔ جماعت نے رائے عامہ کے دباؤ اور افہام و تفہیم کے ذریعہ نمائندہ حکومت کی بحالی کی سعی جاری رکھی جو بالآخر کامیاب ہوئی اور ۱۹۸۵ء میں ایک منتخب پارلیمنٹ اور حکومت بحال ہو گئی ۔

خدمتِ خلق

جماعتِ اسلامی کے کردار کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنے پروگرام کا مستقل حصہ بنایا ہے ۔ قیامِ پاکستان کے وقت لٹے پٹے قافلوں اور مہاجرین کے کیمپوں سے لے کر آج تک ہر قومی آفت --- زلزلہ، سیلاب یا وبا --- کے موقعہ پر جماعت کے کارکنوں نے گلی گلی کی خاک چھان کر امداد و اعانت جمع کی ہے اور ہر قسم کے خطرات کو انگیز کر کے مصیبت زدہ بھائیوں تک پہنچائی ہے ۔ اس سلسلہ میں جماعت کا کردار سیاسی جماعتوں میں منفرد رہا ہے ۔ اسی طرح جماعت نے بیماری اور جہالت سے انسانوں کو بچانے کے لیے بھی نمایاں کام کیا ہے۔ جماعت یا اس کے کارکنوں کے قائم کردہ سینکڑوں شفاخانے اور سینکڑوں تعلیمی ادارے اس

پر شاہد ہیں ، لیکن جماعت اور جماعت کے کارکنوں کی طرح یہ ادارے بھی حکمرانوں کے استبداد کا شکار ہو کر بند اور ضبط ہوتے رہے ہیں اور پھر بنتے رہے ہیں ۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی نے صحافت و ادب کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جن کی تفصیل میں جائیں تو ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ جماعت کے ادیبوں اور اہلِ قلم نے ادب کو سفلی جذبات سے کھیلنے کی بجائے جذباتِ عالیہ کی پرورش اور خدا کی بندگی کی طرف بلانے کا ذریعہ بنایا ہے ۔

جہادِ افغانستان

جماعتِ اسلامی پاکستان کے کردار کا ایک تابناک باب جہادِ افغانستان میں اس کا حصہ ہے ۔ یہ جہاد جس میں آج پوری قوم شریک ہے اس کی ابتدا افغانستان کی تحریکِ اسلامی نے کی جو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے فیضیاب ہوئی تھی ۔ تحریکِ اسلامی افغانستان کے رہنما مولانا مودودیؒ سے تبادلہ خیال اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان سے ملنے لاہور آیا کرتے تھے اور پشاور میں جماعتِ اسلامی کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب اور بعض دوسرے رفقاء سے ان کا بہت قریبی رابطہ تھا ۔ محترم قاضی حسین احمد صاحب خود کئی بار ان کے پاس کابل گئے ۔ اس جہاد کی ابتداء اس وقت ہوئی جب سردار داؤد نے روس کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کر کے کیمونسٹوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ دیا اور تحریکِ اسلامی اور بعض دوسرے اسلام دوست عناصر پر زمین تنگ کر دی گئی ۔ ان حالات میں تحریکِ اسلامی کے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آنے پر مجبور ہوئے ۔ پشاور میں جماعتِ اسلامی نے اُن کا خیر مقدم کیا اور اُن کی میزبانی کا شرف حاصل کیا ۔ ترکئی کے انقلاب کے بعد جہاد میں تیزی آگئی اور مہاجرین بڑی تعداد میں پاکستان آنے لگے ۔ اس وقت سے جماعتِ اسلامی مہاجرین اور مجاہدین کی خدمت میں لگی ہوئی ہے ۔ اس وقت ابھی بین الاقوامی اداروں کی امداد بھی نہیں آ رہی تھی ۔ بین الاقوامی ادارے اور مسلمان ممالک اس وقت متوجہ ہوئے جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں روس نے اپنی پٹھو حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو بچانے کے لیے براہِ راست اپنی فوجیں افغانستان میں داخل کر دیں ۔ اور پوری ملّتِ افغانیہ اپنے دین اور آزادی کے تحفّظ کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ۔ محترم میاں طفیل محمد امیر جماعتِ اسلامی نے قوم سے مظلوم افغان بھائیوں کی مدد کرنے کی اپیل کی اور پوری جماعت نے اندرون اور بیرونِ ملک پاکستان سے اعانتیں جمع کر کے چترال سے لے کر بلوچستان میں دالبندین تک پوری سرحد کے ساتھ جگہ جگہ امدادی مراکز قائم کیے اور خستہ حال مہاجرین کو ضروریاتِ زندگی اور طبّی امداد کی فراہمی کا انتظام کیا ۔ ضروریات کی فراہمی کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب کہ حکومتِ پاکستان کے انتظامات بہتر اور مستحکم ہو گئے اور بین الاقوامی

اداروں کی مدد بھی آنے لگی، اس کے بعد جماعتِ اسلامی نے اپنی توجہ ان کی طبّی امداد، مہاجرین کے بچّوں کی تعلیم اور مجاہدین کی دوسری ضروریات کی فراہمی پر مرکوز رکھیں ۔ جماعت کے قائم کردہ چار بڑے ہسپتال اور آٹھ دس گشتی شفاخانے اس سارے عرصہ میں مسلسل خدمت کرتے رہے ہیں اور آج بھی اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ جماعت نے سینکڑوں مکتب اور مدارس قائم کر کے بچّوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور پھر رفتہ رفتہ انہیں مجاہدین کی احزاب کے سپرد کر دیا گیا ۔

ان خدمات کے علاوہ جماعت نے جہادِ افغانستان کے سلسلہ میں جو نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے وہ پاکستان کے اندر جہاد کی تائید و حمایت کی فضا پیدا کرنا ہے ۔ پاکستان میں روس اور بھارت کی لابیاں مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہیں ۔ انہوں نے طرح طرح کے شوشے چھوڑ کر اور پروپیگنڈہ کے سارے ذرائع استعمال کر کے پورا زور لگایا کہ پاکستان میں مہاجرین اور مجاہدین کے لیے فضا ناسازگار اور مخالف بنا دی جائے اور ان کا جہاد کمزور پڑ جائے ۔ جماعتِ اسلامی نے محترم میاں طفیل محمد صاحب کی قیادت میں ان مذموم کوششوں کا اپنے پورے وسائل کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ پورے ملک میں جہاد کانفرنسیں منعقد کیں ۔ صحیح حقائق پر مشتمل لٹریچر پھیلایا ۔ دوسرے دینی اور محبِّ وطن عناصر نے بھی تائید کی ۔ حکومتِ پاکستان نے نہ صرف مہاجرین اور مجاہدین کی بھرپور امداد کی، بلکہ روس جیسی سپر پاور کے مقابلہ میں ایک مضبوط موقف پر چٹان کی طرح ڈٹی رہی ۔ جماعتِ اسلامی نے جنرل ضیاءالحق شہید سے بہت سارے اختلافات کے باوجود افغان جہاد کے لیے ان کے موقف اور پالیسی کی بھرپور تائید کی ۔ اس طرح بحیثیت مجموعی پورے ملک کی فضا جہاد کی حمایت کے لیے سازگار رہی اور مجاہدین پوری یکسوئی کے ساتھ روس کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے اور بالآخر اسے ذلت کے ساتھ پسپائی اختیار کرنی پڑی ۔

حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کے مسلمانوں نے اپنے خون سے جو تاریخ رقم کی ہے اس نے عہدِ اوّل کے مسلمانوں کی شجاعت و جانثاری کی یاد تازہ کر دی ہے ۔ افغان مجاہدین نے بے سروسامانی کے عالم میں دنیا کی ایک سپر پاور جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کی افواج کسی ملک میں داخل ہونے کے بعد کبھی واپس نہیں جاتیں اسے افغانستان سے انخلا پر مجبور کر کے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ فیصلہ کن چیز تعداد اور اسلحہ نہیں، بلکہ ایمان و یقین اور جذبۂ جہاد ہے۔ اس جہاد نے نہ صرف ملّتِ افغانستان کے دین و آزادی کے تحفّظ اور پاکستان و عالمِ اسلام کے دفاع کے سہ گونہ مقاصد حاصل کیے، بلکہ پوری امّتِ مسلمہ اور بالخصوص اس کی نوجوان نسل کے خون کو گرما کر ان میں ایک ولولۂ تازہ اور جذبۂ جہاد کو زندہ کر دیا ہے جو انشاءاللہ مستقبل میں باطل قوّتوں کے غلبہ و استحصال کے مقابلہ میں عالمِ اسلام کے ناقابلِ تسخیر دفاع کا ذریعہ بنے گا ۔ جماعتِ اسلامی کے لئے یہ

بات باعثِ فخر ہے کہ اس نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دینے والے اس جہاد کی پاکستان اور عالمِ اسلام کے لیے فیصلہ کن اہمیت کو پہلے دن سے سمجھا اور محسوس کیا اور جبکہ پاکستان کی دیگر جماعتیں اس جہاد کی اخلاقی تائید سے آگے نہ بڑھ سکیں ۔ جماعت نے اپنے وسائل کی حد تک اس میں بھرپور اور ہمہ جہت کردار ادا کیا اور افغان بھائیوں کی نہ صرف دامے درہمے قدمے سخنے مدد کی بلکہ جماعت کے بے شمار کارکنوں نے میدانِ جہاد میں ان کے خون کے ساتھ اپنا خون بھی دیا جماعت کے بیسیوں کارکنوں نے اس جہاد میں جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ جاوداں پائی ۔ ابھی گذشتہ چند ہفتوں میں محترم جسٹس ملک غلام علی صاحب کے صاحبزادے انعام اللہ خان، مولانا جان محمد عباسی کے صاحبزادے نجم عباسی، ہمارے رفیق محمد صالح میمن کے بیٹے اور نظام الدین میمن کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر صدرالدین میمن اور مرید کے سے تعلق رکھنے والے جمعیت کے کارکن ہمایوں شہادت کا اعزاز پا چکے ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر تینوں اسلامی جمعیت طلبہ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے بعد وہاں سے سیدھے افغانستان سدھارے اور تینوں نے خوست کے محاذ پر جامِ شہادت نوش کیا

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جماعتِ اسلامی کی امتیازی خصوصیات

جماعتِ اسلامی پاکستان کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ذاتی، خاندانی اور گروہی سیاست کی بجائے نظریاتی سیاست کی مثال پیش کی ہے ۔ جہاں رائج سیاست صرف حصولِ اقتدار اور اس کے مادی فوائد کے گرد گھومتی ہے، جماعتِ اسلامی کے نزدیک اقتدار محض کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ وہ اقتدار کو اس بنیادی تبدیلی کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے جو وہ ملک و معاشرہ میں قرآن و سنّت کے مطابق لانا چاہتی ہے ۔ اس لیے جماعت نے ہمیشہ ذاتی اور جماعتی مفاد کو نظریہ اور ملک کے مفاد پر قربان کیا ہے ۔ آج جبکہ سیاست میں قول و فعل کا تضاد عام ہے اور منافقت کو سیاست کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے جماعت نے روزِ اوّل سے قول و فعل میں مطابقت کو لازم جان کر اس پر عمل کیا ہے ۔ وہ اگر قرآن و سنّت کا پیغام لے کر اٹھی ہے تو اس نے ابتدا ارکانِ جماعت کی انفرادی زندگی میں اور جماعت کے اجتماعی نظام میں اسلام کی تعلیمات پر عمل سے کی ہے۔ اس کی رکنیت کی شرط ہی یہ ہے کہ دعوے کے مطابق پہلے خود اپنی زندگی کو تبدیل کرو اور بغیر کسی دنیوی مقصد کے محض اللہ کی رضا اور فلاح اخروی کے لیے اقامتِ دین کی جدوجہد میں شامل ہو جاؤ ۔ جناب اے کے بروہی صاحب نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ مجھے مولانا مودودی کی جس

بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسے کارکن تیار کیے ہیں جو اپنے لیے کچھ نہیں مانگتے ۔ آج اس اجتماع میں بھی یہ کچھ لے کر نہیں بلکہ اپنے وقت اور مال کی قربانی دے کر آئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کو اللہ تعالیٰ نے آج تک اندرونی جنگِ اقتدار سے محفوظ رکھا ہے ۔ اللہ اس جذبہ کو ہمیشہ قائم رکھے ۔

جماعتِ اسلامی اگر جمہوریت کا نام لیتی ہے تو اس نے پہلے اپنے جماعتی نظام میں سو فیصد جمہوریت اور شورائیت قائم کی ہے۔ اور سخت سے سخت حالات میں جماعتی انتخابات کی پابندی کی ہے یہ نہیں کیا کہ دنیا میں تو جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے اور اپنی جماعت میں بائیس سال میں ایک بار بھی انتخابات نہ کرایا جائے ۔ صدارت وراثت میں منتقل ہو اور باقی ہر عہدہ دار کو صدر نامزد کر دے ۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں بستے تھے، وہ بڑی آسانی سے اپنی اس محبوبیت کو وراثت میں منتقل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے پہلے قدم پر ہی یہ واضح کر کے کہ ہماری دعوت کسی شخصیت کی طرف نہیں، بلکہ قرآن و سنّت کی طرف ہے، شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ دی اور جب تک جماعت کی قیادت کی ایک منتخب امیر کی حیثیت سے کی اور جماعت کے تمام معاملات کو ایک منتخب مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے چلایا اور یہ سلسلہ اسی طرح اب بھی جاری ہے ۔

جماعتِ اسلامی نے انسان سازی اور سیرت و کردار بنانے پر زور دیا ہے۔ جماعت نے بھیڑ جمع کرنے کی بجائے منظم جدّ وجہد پر زور دیا ہے اور آج بفضلہٖ اس کی تنظیم کی دھاک دوست و دشمن پر ہے اور یہ تنظیم ملک میں چلنے والی ہر بڑی تحریک میں ریڑھ کی ہڈی رہی ہے ۔

جماعتِ اسلامی نے سخت سے سخت حالات میں بھی اخلاق و دیانت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا ۔ اس نے گالیاں کھا کر بھی کبھی اپنی زبان کو گالی سے آلودہ نہیں کیا ۔ اس نے انتخابات کے گرم ماحول میں بھی ہار قبول کر لی، لیکن بد دیانتی اور بد عنوانی کا سہارا نہیں لیا ۔ اس کے وزراء کے خلاف بد ترین مخالف بھی چیلنج کے باوجود بد دیانتی ، بد عنوانی یا مفاد پرستی کا کوئی ادنیٰ واقعہ بھی پیش نہیں کر سکے۔ اس کے ممبرانِ اسمبلی نے نہ پلاٹ لیے ہیں نہ عوام کے اعتماد کا سودا کیا ہے، بلکہ اقتدار کے سوداگروں کو جماعت کے اس کردار کا ایسا یقین ہے کہ وہ کبھی بھول کر ان سے سودا کاری کی بات بھی نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ جماعت اور اس کے ممبران کے اس جذبہ کو قائم و دائم رکھے ۔ گذشتہ چالیس سال سے جماعتِ اسلامی کسی حکمران جماعتِ کے لیے حریف اقتدار نہیں رہی۔ اس کے باوجود وقت کے حکمرانوں نے ہمیشہ جماعتِ اسلامی کو اپنے لیے ایک کانٹا تصور کرتے

ہوئے اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی کیونکہ یہ نہ بکتی ہے نہ جھکتی ہے ۔

جماعتِ اسلامی اپنے دستور کی رو سے آئینی اور جمہوری طریقوں سے کام کرنے کی پابند ہے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہو یا جس سے فساد فی الارض رونما ہو ۔ جماعت کی جدّوجہد خفیہ نہیں، بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ ہے ۔ جماعت نے بڑے اشتعال انگیز مواقع پر بھی آئین و قانون کی پاسداری کی ہے، لیکن تشدّد اور غنڈہ گردی کے سامنے جھکنے اور دبنے سے اس نے ہمیشہ انکار کیا اور اپنے حقِ دفاع کو اس نے ہمیشہ جرأت و دلیری سے استعمال کیا ہے ۔

جماعتِ اسلامی نے نہ صرف فرقہ بندی سے خود اجتناب کیا ہے اور ہر فقہی مسلک کے لوگوں کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھے ہیں، بلکہ اس نے فرقہ پرستی کو امّتِ مسلمہ کے لیے سمِّ قاتل جانتے ہوئے ہمیشہ اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور علماء کرام کو بھی الحاد، بے دینی اور سیکولرازم کے خلاف جدّوجہد کے لئے متحد کرنے کی کوشش کی ہے ۔

جماعتِ اسلامی ... ان ھذہ امتکم امۃ واحدہ .. پر ایمان رکھتی ہے اور نسلی، علاقائی اور لسانی تعصّبات کو صرف غلط ہی نہیں اتحادِ امّتِ کے لیے مہلک سمجھتی ہے۔ جماعت نے پاکستان میں ان فتنوں کا مقدور بھر مقابلہ کیا ہے ۔ جماعتِ اسلامی نے مشرقی پاکستان میں اس جگہ بیٹھ کر بنگلہ نیشنلزم کا مقابلہ کیا جہاں اس کے چاروں طرف اس سیلاب کی تباہ کن لہریں اٹھ رہی تھیں اور اپنے اس عقیدہ اور پاکستان سے وفاداری کی ہر قیمت خوشی خوشی ادا کی ۔ سندھ میں آج لسانی تعصّبات کی جو آندھیاں چل رہی ہیں جماعتِ اسلامی ایک عرصہ سے فکری محاذ پر ان کا سامنا کرتی رہی ہے، لیکن جب ملک کے حکمران نہ صرف ان سے غافل ہوں، بلکہ خود اس آگ کو بھڑکانے میں لگے ہوں تو جماعتِ اسلامی اپنا فرض تو ادا کرتی رہے گی لیکن تنہا اس کی کوششیں اس آگ پر قابو پانے کے لیے کافی نہیں ہوں گی ۔ اگر اس آگ کے شعلوں سے بچنا ہے تو پوری ملّتِ پاکستان کو اس کی فکر کرنی ہوگی اور ان تعصّبات سے کھیلنے والے حکمرانوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی ۔

جماعتِ اسلامی صرف پاکستان کے اندر ہی نہیں پوری دنیا میں مسلمانوں کے اتحاد کی داعی ہے اور اس کے لیے مسلسل کام کرتی رہی ہے ۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کو کسی بڑی طاقت کا دم چھلہ بنا دینے کے خلاف ہے اور پاکستان اور دوسرے مسلمان ممالک کے مسائل کا حل عالمِ اسلام کے اتحاد میں مضمر سمجھتی ہے ۔

پاکستان میں جماعتِ اسلامی کے کردار کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جس میں بے شمار گوشے رہ گئے ہیں اور صرف زیادہ نمایاں پہلوؤں کا ہی ذکر آسکا ہے ورنہ اس کے پورے کام اور کردار کو بیان

کرنے کے لیے تو دفتر درکار ہیں ۔ جماعتِ اسلامی نے یہ کردار مخالفتوں اور حکومتوں کے جور و استبداد کے علی الرغم ادا کیا ہے ۔ اس سفر میں غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں اور انسانوں کی کوئی جماعت اس سے مبرّا نہیں ہے، لیکن خدا کا شکر ہے یہ ساری جدّ و جہد اخلاص سے ہوئی ہے ۔ اسی اخلاص کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے تھوڑے کام کو زیادہ نتیجہ خیز بنایا ہے ۔ جماعت کے کارکنوں نے اپنے اس قائد کی پیروی میں ، جس نے برستی ہوئی گولیوں میں یہ کہہ کر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا کہ اگر میں آج بیٹھ گیا تو کل کھڑا کون ہو گا ، اس جہاد میں اپنا پسینہ ہی نہیں اپنا خون بھی نچھاور کیا ہے ۔ جیلیں آباد کی ہیں، گھر لٹائے ہیں اور مار بھی کھائی ہیں ۔ جھوٹے مقدمات بھگتے اور ناروا پابندیاں سہی ہیں، لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی ۔ مارشل لا بھی آئے، جماعت کو خلافِ قانون قرار دے کر توڑا گیا ۔ پوری مجلسِ شوریٰ کو تقریباً ایک سال تک قید رکھا گیا ۔ جماعت کے جلسوں کو غنڈوں کے ذریعہ الٹا گیا، گولیاں بھی چلیں اور لاٹھیاں بھی برسیں، لیکن ہر ابتلا خدا کے فضل و کرم اور اس کی تائید و نصرت سے کارکنوں کے عزم و ثبات اور جماعت کی قوت میں اضافہ کا ذریعہ بنی ہے۔ جماعت کی جدّ و جہد نے معاشرے کے ہر طبقہ پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ اس کردار کے نتیجہ میں جماعتِ اسلامی کا شجرِ طیبہ آج گہری جڑوں کے ساتھ اس سرزمین میں قائم ہو چکا ہے ۔ آندھیاں اور طوفان آتے رہیں گے ، لیکن یہ انشاءاللہ قائم رہے گا اور جس طرح نشو و نما پا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ اپنے وقت پر بار آور ہو کر رہے گا ۔

جماعتِ اسلامی عدل و انصاف کی علمبردار ہے ۔ یہ مرد و زن، غریب و امیر، کسان، مزدور، دکاندار، طلبہ سب کے حقوق کا تحفّظ اور سب کے لیے انصاف چاہتی ہے اور سب کو اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کے قیام کی جدّ و جہد میں شرکت کی دعوت دیتی ہے ۔